اکیسویں صدی میں فکر اقبال کی ضرورت واہمیت: تحقیقی وتنقیدی جائزہ

The Need and Importance of Iqbal's Thought in the 21st Century: Research and Critical Review

Naimat Ullah
PhD Scholar -Urdu, MY University, Islamabad
mna.ghummans@gmail.com
Dr. Muhamamd Arif
Assistant Professor, Dept. of Urdu, MY University, Islamabad
hodurdu@myu.edu.pk
Anbreen Yousaf
M. Phil Scholar-Urdu, MY University, Islamabad
oxfordian123@gmail.com

KEYWORDS

Iqbal
Muslims
Quran
Intellectual
Philosophy
Chaos
Society

DATES

Received	**25-08-2023**
Accepted	**06-09-2023**
Published	**30-12-2023**

QR CODE

ABSTRACT

Iqbal was worried about the conditions and events of the 20th century. Iqbal also studied the West and its culture and openly criticized these elements. Iqbal breathed soul into the dead bodies of Muslims with the Qur'an and its spirit. He carried out the duties of conveying the message with his intellectual brilliance and lofty ideas to make them a living nation. The eternal truths mentioned by Iqbal in his thoughts and philosophy are the guarantor of Islamic unity. Iqbal called the Islamic system of life necessary for the success of Muslims. Iqbal's intellectual significance is increasing with the passage of time. His concern is still helping to refresh our minds. There is a need to benefit from Iqbal's thoughts even today. In this way, chaos can be ended. Iqbal's philosophy can be helpful in forming a righteous society by adapting to the new requirements of the new era. While sleeping, the heads of the Qur'an are watered by the fountain.

DOI:
http://journals.mehkaa.com/index.php/negotiations/article/view/90

تلخیص:

اقبال بیسویں صدی کے حالات و واقعات سے پریشان تھے۔ اقبال نے مغرب اور اس کی ثقافت کا بھی مطالعہ کیا اور ان عناصر پر کھل کر تنقید کی۔ اقبال نے مسلمانوں کے قلب و ذہن میں قرآن اور اس کی روح پھونکی۔ انہوں نے اپنی فکری ذہانت اور بلند افکار سے پیغام پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیا تاکہ انہیں ایک زندہ قوم بنایا جاسکے۔ اقبال نے اپنے افکار اور فلسفہ میں جن ابدی سچائیوں کا ذکر کیا ہے وہ اسلامی اتحاد کی ضامن ہیں۔ اقبال نے اسلامی نظام زندگی کو مسلمانوں کی کامیابی کے لیے ضروری قرار دیا۔ اقبال کی فکری اہمیت وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی جارہی ہے۔ اُن کی فکر اب بھی ہمارے ذہنوں کو تازہ کرنے میں مدد کر رہی ہے۔ آج بھی اقبال کے افکار سے استفادہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس طرح افراتفری کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ اقبال کا فلسفہ نئے دور کے نئے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو کر ایک صالح معاشرہ تشکیل دینے میں مددگار ہو سکتا ہے۔

اقبال پاکستان کے معروف شہر سیالکوٹ میں 9 نومبر 1877ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد محترم شیخ نور محمد بہت متقی اور پرہیز گار انسان تھے۔ حصول علم اور تحقیق کے منازل طے کرتے ہوئے وہ علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کہلائے اور آج دنیائے علم و ادب میں اقبال کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ان کا تعلق کشمیر کے برہمن خاندان سے تھا۔ ان کے آباو اجداد قریباً اڑھائی سو برس قبل مشرف با اسلام ہوئے تھے۔ کسے معلوم تھا کہ یہ ننھا ستارہ ایک دن آفتاب بن کر دنیائے ادب کے افق پر چمکے گا اور خون مسلم کی تپش بن جائے گا شاعری ان کے لیے ایک عطیۂ خداوندی تھا جس کے ذریعے ایک قوم کو غلامی سے نکال کر آزادی کی نعمت سے ہمکنار کرنا مقصد باری تعالیٰ تھا۔ پاکستانی قوم اقبال کی مرہونِ منت ہے کہ انھوں نے ہندی مسلمانوں کی نجات کا راستہ تلاش کیا اقبال نے ایک مردہ قوم کو زندگی کا درس دیا۔ اس کو اپنی حقیقت سے آگاہ کیا اور بالآخر 1930ء میں برصغیر کے مسلمانوں کے لیے جداگانہ مملکت کا نظریہ پیش کیا جو 1940ء میں قرارداد لاہور کی صورت میں برصغیر میں بسنے والوں کے سامنے آیا۔ حکیم الامت علامہ محمد اقبال کے خواب کو محمد علی جناح نے 14 اگست 1947ء کو تعبیر سے ہمکنار کیا۔

نابغہ روزگار شخصیات بیک وقت تینوں زمانوں (ماضی، حال اور مستقبل) سے وابستہ ہوتی ہیں، اقبال ماضی کی تصاویر کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حال پر گہری نظر رکھتے ہیں تاکہ مستقبل کے راستوں کا با آسانی تعین ممکن ہو سکے اقبال کا دور تہذیبی بحران کا دور تھا۔ پرانی قدروں کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا اور اسلامی قدروں کو اپنانے میں جھجک محسوس کی جاتی۔ اقبال کے دور کا معاشرہ غلامی جہالت اور فرسودہ رسم و رواج میں پھنسا ہوا تھا اقبال اس پسماندہ معاشرے کی ترقی کے خواہاں تھے۔ ابتدا میں اقبال کے پیش نظر بیسویں صدی کا ہندوستان اور اس میں رہنے والے مسلمان تھے اقبال کے نزدیک مسلمانوں کے زوال کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ

انھوں نے کشمکش حیات سے منہ موڑ لیا تھا۔ قرآنی تعلیمات سے روگردانی نے انھیں زوال میں مبتلا کیا۔ آج 21ویں صدی کے انسان کو بھی کم و بیش انہی حالات و مسائل کا سامنا ہے جو اس وقت برصغیر پاک و ہند کے مسلمان کو درپیش تھے۔

اقبال کی ابتدائی شاعری میں وطن سے والہانہ محبت کا اظہار ملتا ہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قومیت کا جذبہ اور محبت وطنیت پر غالب آگئی۔ اقبال وطن اور حب الوطنی کے فطری تصور سے پھوٹنے والے فطری جذبات و احساسات کی قدر کرتے ہیں۔ اقبال فرماتے ہیں:

> "میں نظریہ وطنیت کی تردید اس وقت سے کر رہا ہوں جب دنیائے اسلام اور ہندوستان میں اس نظریہ کا چرچہ نہیں تھا۔ مجھ کو یورپی مصنفوں کی تحریروں سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو گئی تھی کہ یورپ کے ملوکانہ اغراض اس امر کے متقاضی ہیں کہ اسلام کی وحدت دینی کو پارہ پارہ کرنے کے لیے اس سے بہتر کوئی جذبہ نہیں کہ اسلامی ممالک میں فرنگی نظریہ وطنیت کی اشاعت کی جائے"۔(1)

محولہ بالا بیان کی روشنی میں اگر جائزہ لیا جائے تو دیکھا جا سکتا ہے کہ نائن الیون کے بعد پوری دنیا کے سیاسی حالات تیزی سے بدلے۔ مغربی ممالک علانیہ مشرق کے خلاف جارحانہ انداز اختیار کر چکے ہیں۔ مغربی نو آبادیاتی نظام مختلف صورتوں میں ظاہر ہو رہا ہے۔ مغربی تہذیب کی قیادت جن ہاتھوں میں ہے انھوں نے واشگاف الفاظ میں مسلم ممالک کی خود مختاری پر حملہ آور ہو کر اس کی آزادی کو سلب کر لیا ہے اس صورتحال میں مسلم امت کے اتحاد کی ضرورت ہے۔ اقبال بیسویں صدی کے جن حالات و واقعات پر مضطرب تھے آج کم و بیش انہی حالات و واقعات کا مسلم اُمہ شکار ہے۔ آج بھی مسلمان مغربی تہذیب کے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔ آج بھی مسلمان نوجوان مغرب سے متاثر ہے۔ اقبال جن مسلم نوجوان سے مخاطب تھے آج کا نوجوان بھی انہی خیالات کا حامل ہے وہ مغرب سے متاثر اور اپنی تہذیب سے نالاں ہے حتیٰ کہ اس نوجوان کو کلام اقبال اور افکار اقبال سے فیض یاب ہونا تھا۔ اس نے فکر اقبال کو اپنا کر دنیا میں سرخرو ہونا تھا۔ مسلم امہ کے بقا کی صورت یہی ہے کہ وہ ایک مربوط ملت کی صورت میں منظم ہو جائیں۔ مسلمانوں کے ربط و ضبط اتحاد اتفاق میں ہی ان کی فلاح ہے۔ مغربی ممالک کے مقاصد بیسویں صدی میں بھی یہی تھے اور آج بھی ایسے ہی ہیں کہ کسی طرح مشرق کو اپنے شاندار ماضی اور مذہب سے دور رکھا جائے اور مغربی تہذیب کا دلدادہ بنایا جائے۔ صرف اس صورت میں مغرب کی بالادستی قائم رہ سکتی ہے۔ اقبال نے مغرب اور اس کی تہذیب و فکر کا مطالعہ بھی کیا اور ان عناصر کو کھل کر تنقید کا نشانہ بنایا۔

اقبال کے دور میں مسلم امہ زوال کا شکار تھے روحانی، اخلاقی، سیاسی اعتبار سے مسلمان اپنا وقار کھو چکے تھے۔ اقبال نے قرآن اور اس کی روح سے مسلمانوں کے تن مردہ میں روح پھونکی انھیں ایک زندہ قوم بنانے کے لیے اپنی فکری جولانیوں اور خیالات کی بلندی سے پیغامبری کے فرائض سرانجام دیے ہیں۔ اقبال اپنے دور کے مسلمانوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہتے ہیں:

"افسوس ہے کہ مسلمان مردہ ہو چکے ہیں انحطاط ملی نے ان کے تمام قویٰ کو شل کر دیا ہے اور انحطاط کا سب سے بڑا جادو یہ ہے کہ یہ اپنے صید پر ایسا اثر ڈالتا ہے جس سے انحطاط کا مسحور قائل کو اپنا تصور کرنے لگتا ہے یہی حال اس وقت مسلمانوں کا ہے"۔(2)

اقبال کے نزدیک یہ خاکی انسان جو اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے اگر یہ قوت عشق سے مالامال ہو تو قوت عمل اور خود شناسی کے ذریعے سے کائنات کو مسخر کر سکتا ہے اقبال کی فکر پر اسلامی فکر اور فلسفے کے گہرے اثرات ہیں غلام رسول ملک لکھتے ہیں:

"ان کی فکر قرآنی فکر ہے اور ان کی نظر قرآنی نظر ہے اور جب وہ اپنے نتائج فکر و نظر کو الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں تو انفرادی طور پر قرآنی اسلوب کی شان نمودار ہوتی ہے"۔(3)

اکیسویں صدی میں دیکھا جائے تو مسلم امہ جن مسائل کا شکار ہیں ان میں سے ایک بڑا مسئلہ مغرب کا تسلط ہے۔ اقبال نے جس فلسفۂ خودی و بے خودی کا تصور دیا اس کا عملی اطلاق کرتے ہوئے اسلامی تہذیب کے درخشاں مستقبل کی صورت گری کرنے کا منہج بھی پیش کیا۔ خطبہ الہ آباد میں فرمایا کہ معاصر بحران سے کامیابی سے نبرد آزما ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ملتِ اسلامیہ آزادانہ راہ عمل اختیار کرے اور اس کا سیاسی لائحہ عمل ایک مقصد پر مرکوز ہو۔

"فرقہ بندی اور نفسا نفسی کی قیود سے آزادی حاصل کی جائے۔ مادہ سے گزر کر ملت روحانیت کی طرف آئے کیونکہ اسلام کا تحفظ و بقا مسلمانوں سے نہیں بلکہ مسلمانوں کا مستقبل اور بقا اسلام سے وابستہ ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیم علیکم انفسکم الخ ہی ان میں اجتماعی خودی پیدا کر کے انھیں مکمل تباہی سے بچا سکتی ہے"۔(4)

علامہ کی فکری اور عملی جد وجہد کا مقصد عالمی سماجی نظام .Universal Social Reconstruction کا ایسا منصوبہ ہے جو صرف کسی محدود طبقہ آبادی ہی نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے بقا کی اساس فراہم کرے۔ اقبال کے اشعار میں مختلف مسائل کے متعلق فلسفیانہ خیالات موجود ہیں۔ فکرِ اقبال کی روشنی میں مثالی نظام عالم کے قیام کے لیے انسانیت کو کائنات کی روحانی تعبیر، فرد کی روحانی نجات اور انسانی معاشرے کو روحانی خطوط پر نشو و نما دینے کے لیے آفاقی اصولوں کی ضرورت ہے۔ اقبال کے اپنے مکاتیب بالخصوص نکلسن کے نام بھی ایک خط میں ذکر کیا کہ ان کا مقصد مثالی عالمی سماجی نظام کی تشکیل ہے چونکہ اپنے معاشرتی نظام جس کا مقصد وحید ذات پات، رتبہ و درجہ اور رنگ و نسل کے تمام امتیازات کو مٹا دینا ہے صرف اسلام ہی ہے لہٰذا عالمی نظام کی تشکیل میں اسلام کو نظر انداز کرنا کسی طرح بھی دانش مندانہ رویہ نہیں بلکہ ملتِ اسلامیہ کی بقا اسلامی تہذیب کی روایات واقدار سے وابستہ ہے۔ اکیسویں صدی کے موجودہ نازک دور میں مستحکم عزائم، بلند مقاصد، مسلمانوں کو مکمل تنظیم، اتحاد، عزائم و مقاصد کی ضرورت ہے، اس کے ذریعے مصائب کا خاتمہ ممکن ہے، مشرق کی روح کو بیدار کیا جاسکتا ہے، شاندار تمدن کے احیا کے لیے مسلمانوں کو اپنا فرض ادا کرنا ہو گا۔

"اقبال کی تعلیمات میں اس کا حل بھی موجود ہے۔ اقبال فرماتے ہیں کہ بحیثیت مسلمان اگر زندہ رہنا ہے تو اپنی اصلاح اور ترقی کے لیے کوشش اور علیحدہ پولیٹیکل پروگرام طے کرنا چاہیے۔ ایسا پولیٹیکل پروگرام جس پر پوری قوم متحد ہو اور اس کے تحت وہ اپنے حقوق کے لیے جد وجہد کر سکے۔ اس اقدام کے نتیجے میں ناکامی کا کوئی امکان نہیں حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ میری امت کا اجتماع کبھی بھی گمراہی پر نہیں ہو گا"۔(5)

موجودہ وقت میں مسلمان اپنے سیاسی اور مذہبی اختلافات کو دور کر کے متحد ہو کر عالمی سطح پر اسلام کے فروغ کے امکانات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ آج پھر انھیں ابراہیمی فریضہ سر انجام دیتے ہوئے ذات پات کے بت کو پاش پاش کرنا چاہیے۔ آج ہمیں اپنے معاشرتی ڈھانچے کو دور جدید کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے قابل عمل بنانا ہے۔

پاکستان کی فلاح و بہبود کے لیے کلام اقبال سے مستفید ہونے کی ضرورت ہے پھر ہی وطنِ عزیز کے اندر توازنِ قوت اورا من وامان قائم ہو سکتا ہے۔ اُمتِ مسلمہ کے لیے بھی لازم ہے کہ وہ عربی شہنشاہیت سے پیدا ہونے والے اثرات سے آزاد ہو کر اپنے قوانین، تعلیم اور سیاست کو حرکت میں لائیں۔ اگر ہمیں آیندہ نسلوں کی فکر کرنی ہے تو موجودہ حالت کی اصلاح کرنا ہو گی، اس کے ساتھ ہی مسلمانوں اور اسلام کا مستقبل وابستہ ہے۔ علامہ نے مسلمانوں کو پیغامِ امن دیا اور تلقین کی کہ دشمنوں کی سرگرمیوں سے بچاؤ کی صورت یہ ہے کہ مسلمان اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں اور اتحاد و اتفاق کی بدولت ہر مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ کریں۔ اقبال نے بھی غیر موزوں ماحول اور زوال کو عروج میں بدلنے کے لیے اپنے اندر مثبت تبدیلیوں کی نشاندہی کی علاوہ ازیں نصب العین متعین کر کے خود اپنی حالت بدلنے کی ہدایت کی۔ دنیا کو امن و سلامتی کا گہوارہ بنانے کے لیے موثر کردار ادا کرنے کی کرنے کی تلقین کی۔ فرماتے ہیں:

ربط و ضبطِ ملتِ بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
یہ نکتہ سر گزشت ملتِ بیضا سے ہے پیدا
کہ اقوام زمین ایشیا کا پاسباں تو ہے(6)

موجودہ اقتدار، اختیار اور طاقت کے لحاظ سے مسلم تہذیب آج پسماندگی کا شکار ہے۔ علاوہ ازیں ان کے درمیان کسی بھی قسم کے معاملے کا موثر مکالمہ ممکن نہیں ہو گا اس کی ایک بڑی مثال فلسطین کا مسئلہ ہے عالمی امن کے قیام کے لیے موثر مکالمے کی ضرورت ہے اقبال کے نزدیک مسلم قوم کی بقا مسلم تہذیب کے ساتھ وابستہ ہے مزید بر آں اجتماعی اور انفرادی سطح پر خودی کی تشکیل اور امت مسلمہ کے موثر کردار سے بھی کامیابی ممکن ہے پھر بھی مسلم تہذیب کے مستقبل کی تابناکی کے امکانات مسلم قوم کے ذریعے متشکل اور متحقق ہو سکتے ہیں:

پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصارِ دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظِ حرم کا اک ثمر(7)

مسلمانوں کو اپنی تہذیبی اقدار واقتدار کو قائم اور باقی رکھنے اور تاریخی عمل میں زندہ، جاندار اور موثر کردار ادا کے حصول کے لیے واحد بنیاد قرآن حکیم ہے۔ اقبال کی شاعری اور نثری انکار میں محدودیت یا تنگ نظری نہیں بلکہ ہر ہر معاملے میں رہنمائی موجود ہے۔ اقبال کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ قدیم پر قائم رہتے ہوئے جدید کی حمایت کرتے ہیں اور جدت کے تمام مثبت انداز اپنانے کی تلقین کرتے ہیں بلکہ اگر دیکھا جائے تو عمل کی دنیا میں خود بھی جدید دنیا اور جدید خیالات سے مکمل مستفید ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور اور ہر مذہب کے لوگ اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق فکرِ اقبال سے استفادہ کرتے ہیں۔ کیوں کہ اقبال نے اس لیے اصول وضع کیے ہیں جو تاحیات قارئین کو رہنمائی فراہم کرتے رہیں گے۔

فکر اقبال کی تہہ میں روح عصر کی کارفرمائیوں سے انکار ممکن نہیں ہے۔ اقبال کا مرکزی کردار "انسان" ہے جو بیسویں صدی کا انسان جو اپنی تلاش ہے جو اپنی ذات کا راز دریافت کرنے سے قاصر ہے۔ یہ اگر عصر حاضر کے تناظر میں دیکھا جائے تو اکیسویں صدی کا انسان بھی اپنے آپ کی تلاش میں ہے اس نفسانفسی کے دور میں وہ اپنی پہچان کھو چکا ہے۔ یہ ہر انسان ذہنی، فکری اور روحانی روحانی انتشار کا شکار ہے۔ یہ انسان اپنی خوشیوں، اپنی چاہتوں، عزتِ نفس کو چند ڈالروں کے عوض فروخت کر چکا ہے۔ یہ وجودی کرب کا شکار ہے۔ جدید ہونے کی دوڑ میں وہ اپنی اصل سے محروم ہو چکا ہے وہ عقلی استدلال اور تجربی طریق تحقیق سے بدگمان ہے یہ بدگمانی ناآسودگی کو جنم دیتی ہے۔ جس ذہنی اذیت اور کرب کا شکار آج کا انسان ہے اقبال اس کی حالت زار سے واقف تھے کیونکہ اس بے چینی کی ابتدا اقبال دور سے ہی ہو چکی تھی۔ ان کی دور بین نگاہیں اس کا ادراک کر چکی تھیں اقبال نے اس کا ازالہ کرنے کے لیے "اسلامی الہیات کی تشکیل جدید" کے موضوع پر بصیرت افروز خطبات دیے۔ سیاسی اور معاشی مسائل کے متعلق اظہارِ خیال کیا۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ طاقت کے نشے میں مست قومیں کمزور قوموں کا استحصال نہ کریں اور مسلمان راہِ اعتدال پر گامزن ہو کر کش مکش اور تصادم کی شکار اس دنیا کو امن کا گہوارا بنائے تاکہ اس کرۂ ارض کی تقدیر سنور جائے۔ آج اکیسویں صدی میں جب فلسطین اور کشمیر کے حالات مایوس کن حد تک خراب ہیں مسلمان مغرب کے دستِ نگر بن چکے ہیں، مٹھی بھر یہود پوری دنیا کی معیشت پر چھا چکے ہیں اور وہ مسلمانوں کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ اقبالؒ کی مدبرانہ نگاہ اور ان کی فکر وشاعری دونوں عصرِ حاضر میں بھی اتنی ہی کارآمد ہیں جتنی آج سے ایک صدی قبل تھی۔ کیوں کہ فکرِ اقبالؒ امتِ مسلمہ کی بقا اور ارتقا کی ضامن ہے۔ اقبالؒ کے نظریات کبھی قصۂ پارینہ نہیں بن سکتے۔ اقبالؒ کی فکر بیسویں صدی کے تقاضے بھی پورے کرتی تھی اور اس میں اکیسویں صدی کے مسائل ومعاملات کا حل بھی موجود ہیں:

> "اقبال کی شاعری نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر تک پھیلی ہوئی ہے اور لوگ اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔ اکیسویں صدی کے اقبال شناسوں اور محبانِ اقبالؒ کی یہ ذمہ داری ہے کہ نئے نظریات اور تحریکات کی روشنی میں فکرِ اقبالؒ کا ز سرِ نو مطالعہ کیا جائے۔ افکارِ اقبالؒ کو علمی و ادبی اور استدلالی انداز میں مرتب کر کے نوجوان نسل کے لیے پیش کیا جائے اور اس طرح اقبال کی روحِ زیباتر اور جدید تر پیکر میں بھی متشکل ہو گی... اور یہ ثابت ہو سکے گا کہ قرآنی اور اسلامی حکمت کا یہ دانش یافتہ اقبال ان راہوں کی بھی نشاندہی کر گیا ہے جن تک مغرب کے حکماء اب پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں"۔(8)

عصرِ حاضر کا انسان اپنی مادی ترقی کے آئینے میں جہاں خود کو تاریخ کا مہذب ترین انسان سمجھتا ہے وہیں اس کی اس مادیت پسندی اور نام نہاد تراقی نے اسے روحانی تنزلی کا شکار بھی کیا، یوں مادی ترقی اور روحانی تنزلی کی اس متوازی کشمکش میں کئی امراض نے جنم لیا۔ آج کا انسان بے پناہ مشینی وسائل کے ہوتے ہوئے اور ان گنت سہولیات پا کر بھی ذہنی مریض بنا ہوا ہے۔ تاریخِ انسانی کے اس عجب دور میں سب سے زیادہ متاثر ہونے والا گروہ نوجوان نسل کا ہے۔ وہ نوجوان کسی بھی رنگ و نسل یا مذہب سے تعلق رکھتا ہو آج پریشان ہے۔ مردہ دلی، ذہنی کشمکش اور تنگئ قلب کے اس دور میں امت مسلمہ سب سے زیادہ شکار ہے۔ ادب جسے معاشرے کا عکس گردانا جاتا ہے وہ بھی جمود کا شکار ہے، لیکن تاریخ انسانی اس امر کی گواہ ہے کہ کچھ نابغہ شخصیات ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے افکار و تعلیمات ہر دور میں اپنی ضرورت و اہمیت منواتے ہیں، جن پر عمل پیرا ہونا ناگزیر ہوتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں ادبیات میں کسی ایسی شخصیت کو یہ مقام حاصل ہے تو وہ شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ محمد اقبال ہیں۔ انھوں نے بیسویں صدی میں امت مسلمہ کے امراض کا جو علاج بتایا تھا اس کی ضرورت و اہمیت آج بھی مسلمہ ہے، یہی وجہ ہے کہ انھیں " حکیم الامت" کہا جاتا ہے۔ وہ کائنات کے حرفِ راز سے آگاہ ہیں اور وہ اس حرفِ راز کو اپنے دل میں چھپا کر نہیں رکھنا چاہتے بلکہ اسے تمام انسانوں پر آشکار کرنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے اپنی شاعری کو اپنے افکار کی ترویج کا ذریعہ بنایا۔

اقبال ایک عظیم مفکر، فلسفی اور نابغہ روزگار شاعر ہیں۔ ان کے تمام تر افکار کا منبع قرآن ہے۔ قرآن میں ہمہ گیریت اور ہمہ عصریت کا پہلو موجود ہے ۔ اقبال نے چوں کہ اپنی فکر کا خمیر قرآن سے حاصل کیا لہذا اقبال کا جملہ کلام ہر عہد کے انسانوں کے لیے ہمیشہ جِلا بخشنے والے چراغ کی مانند ہے جو ہر زمانے کے انسانوں کو منور کرتا رہے گا۔ اقبال لکھتے ہیں:

خوار از مہجوری قرآں شدی
شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی(9)

درج بالا شعر میں اقبال امتِ مسلمہ کو یہ بتاتے ہیں کہ تیری ذلت کا اصل سبب یہ ہے کہ تونے قرآن کو چھوڑ دیا اور زمانے کی گردش کے شکوے کرنے لگا۔ وہ اسلام کو فرسودہ اور جمود کا شکار مذہب نہیں مانتے بلکہ ان کے نزدیک اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو انسانیت کی فلاح و بہبود کا ضامن ہے۔ اسلام میں ہر زمانہ کے انسان کے لیے فلاح و کامیابی کا راز پوشیدہ ہے، یہ عالمگیر مذہب کسی ایک خطے یا کسی خاص انسانی گروہ کے لیے نہ تھا بلکہ یہ تو پوری انسانیت کے لیے ہدایت و رہنمائی کا چراغ ہے۔ خلیفہ عبدالحکیم اقبال کے نظریہ اسلام کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "اسلام اقبال کے نزدیک زندگی کے اساسی رجحانات کا حامل انسانی زندگی کے ارتقائے لا متناہی کا لائحہ عمل ہے،اس لیے یہ دین کبھی فرسودہ نہیں ہوسکتا۔مرورِ ایام اس میں کہنگی پیدا نہیں کرسکتا۔جس حد تک جس زمانے میں کوئی ملت اس پر کار بند ہوگی اس حد تک وہ قوت اور بصیرت سے بہرہ اندوز ہوگی،ملت اسلامیہ صدیوں کے انحطاط سے جادۂ اسلام سے ہٹ گئی ہے لیکن اس اصول کے مطابق کہ ہر چیز اپنی اصلیت کی طرف عود کرتی ہے' کل شیئ یرجع الی اصلہ یہ ملت دوبارہ اسلام کی طرف لوٹے گی۔"(10)

اقبال ملت اسلامیہ کو تلقین کرتے ہیں کہ اب تن آسانی کو چھوڑو، کیونکہ ذوقِ تن آسانی ہمت کا رہزن ہے۔ جوئے گلشن ہونے کی بجائے قلزم متلاطم بن جاؤ،اپنی اصلیت پر قائم ہوجاؤ، قطرے سے اسرارِ حیات سیکھو کہ وہ شبنم اورآنسو ہونے کے علاوہ گوہر بھی بن سکتا ہے۔اقبال کے نزدیک افراد میں قوت تنہا روی سے نہیں بلکہ ربطِ ملت سے پیدا ہوتی ہے ،افراد دریائے ملت کی موجیں ہیں دریا سے باہر موج کا کوئی مستقل وجود نہیں ہوسکتا،دریا کی حقیقت کے مقابلے میں افراد کا وجود مجازی ہے۔شرق و غرب ہو یا جدید قدیم ان میں سے کسی کی تقلید نہ کرو،حیات تحقیق اور جدت کوشی کا نام ہے۔

اقبال کی فکر کا سب سے اہم اور بنیادی فلسفہ تعلیم اورعلم ہے۔انسان کے اندر خدا نے لا متناہی قوتیں مضمر رکھی ہیں۔ممکناتِ حیات کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا،حیات کا مقصود ان ممکنات کو مسلسل وجود میں لاتے رہنا ہے،حیات خود اپنا مقصود ہے اس کا کسی ایک صورت پر قائم ہوجانا اس کی نفی کا باعث ہوتا ہے،دین اور حکمت اور ہر قسم کی تعلیم و تربیت کا مقصود یہی ہونا چاہیے کہ انسان اپنی اس لامحدود خودی کو پہچان کر زندگی میں مسلسل ارتقا پیدا کرتا رہے،خیر و شر کا معیار بھی یہیں سے حاصل ہوتا ہے ،یہ بات غلط ہے کہ لذت فی نفسہ خیر ہے اور رنج و الم شر ہے۔ اقبال کے افکار ہمیں بتاتے ہیں کہ وہ مسلم نوجوانوں کو ہمیشہ جہدِ مسلسل کی تلقین کرتے ہیں۔اقبال ماضی کی بے وجہ اندھی تقلید کی مخالفت کرتے ہیں۔وہ تو تسخیر کائنات کا درس دیتے ہیں اس جہاں سے آگے مزید جہانوں کو مسخر کرنے کی ترغیب دیتے ہیں:

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں(11)

اقبال انسان کو اپنی معرفت کا درس دیتے ہیں۔ان کا نظریہ خودی اسی بات کی تلقین کرتا ہے ہے کہ انسان اپنے نفس کو پہچانے۔اقبال کہتے ہیں کہ زندگی کو مسرت و کلفت کے پیمانوں سے نہیں ماپنا چاہیے ،ہر وہ فکر یا عمل جو نفسِ انسانی یا خودی کو استوار کرے خیر ہے اور ہر وہ فکر یا عمل جو اس میں انتشار یا ضعف پیدا کرے شر ہے۔بقول ڈاکٹر سید عبداللہ:

> "خودی عبارت ہے ذوقِ استیلاء سے،خودی ذوقِ طلب ہے خودی ایماں کے مترادف ہے،خودی سر چشمۂ جدت و ندرت ہے، خودی یقین کی گہرائی ہے،خودی سوزِ حیات کا سر چشمہ اور ذوقِ تخلیق کا ماخذ ہے۔"(12)

اقبال خودی کی قوت کو زندگی کے مستحکم ہونے کے لیے لازم و ملزوم سمجھتے ہیں چوں کہ کائنات کے وجود کے برقرار رہنے کا انحصار خودی کی قوت پر ہے اس لیے خودی جس قدر مضبوط ہوگی زندگی اسی قدر مستحکم ہوگی۔

خودی کی تکمیل کے لیے اقبال اگلہ مرحلہ عشق کو قرار دیتے ہیں، اقبال کے نزدیک عشق کا خاصا یہ ہے کہ اس کا یقین اٹل اور محکم ہوتا ہے اور خودی بھی یقین محکم کے پہیوں پر چلتی ہے۔اقبال عشق سے تسخیرِ کائنات کا کام لیتے ہیں ۔ان کے ہاں عشق زندگی کا ایک زبردست محرک ہے۔اقبال کاہلی اور جسم کو بیکار چھوڑ دینے اور عشق اور حرکت پر زور دینے کا درس دیتے ہیں۔

اقبال نےحیات کے جملہ پہلوؤں پر قلم اٹھایا ۔ معاشی،سماجی،ثقافتی،سیاسی روحانی اور نفسیاتی تمام مسائل کا حل اقبال کی تعلیمات میں پوشیدہ ہے۔ عصرِ حاضر میں عدل و انصاف اس بند الماری میں رکھا ہوا ہے جو صرف اسی وقت وا ہوتی ہے جب کوئی صاحبِ ثروت خریدار دست دراز کرے۔اقبال کی فکرزندگی کا مکمل احاطہ کیے ہوئے تھی یہی وجہ ہے کہ ان کی طائرانہ نظر سے حیاتِ کائنات کی کوئی اچھائی یا برائی مخفی نہ رہ سکی۔اقبال امت مسلمہ کو اپنے کلام کے ذریعے عدل و انصاف پر قائم رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔اقبال ہر قسم کی ذات پات،رنگ و بو کو ترک کر دینے اور ایک اسلام کی کشتی پر سوار ہونے کی تلقین کرتے ہیں، علامہ کے نزدیک ہم ایک ہی چمن کے پروردہ ہیں اور ایک ہی شاخ سے ہیں،رنگ و بو کی تقسیم ہم سب پر حرام ہے کیوں کہ ہم ایک ہی بہار(اسلام)کے پالے ہوئے ہیں۔

اقبال ملت اسلامیہ کو ایسی آزادی کی فضا میں سانس لیتا دیکھنا چاہتے ہیں جہاں صرف جسم ہی نہیں ،خیالات ،آواز اور ارواح بھی آزاد ہوں۔وہ حاکمِ وقت کی غلامی سے آزادی اور آواز بلند کرنے کی تلقین کرتے ہیں وہ آواز

جس کو سن کر سمندر ابل پڑیں،پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں ،علامہ کے نزدیک غلامی کی بڑی وجہ فقر کی حفاظت میں کوتاہی ہے۔

اقبال جس کی فکر نے مردِ مومن ور شاہین جیسی صفات کو ہمارے اندر کھوج نکالا،کیا عہدِ حاضر میں مرد مومن اور شاہین جیسی صفات رکھنے والے وجود رکھتے ہیں؟ اقبال کی تعلیمات کو ہر اس فرد تک پہنچایا جائے جو مرد سے مرد مومن تک کا سفر طے کرلے،ہر اس نا امید طائر تک اقبال کا نوا پہنچائی جائے کہ جس کو سن کر اس کے اندر کا شاہین جاگ جائے اور وہ افلاک کا رخ کرلے، اقبال موجودہ دور میں مرد مومن اور شاہین کی صفات رکھنے والوں کی موجودگی سے ناآشنا نہیں بلکہ وہ جانتے تھے کہ شاہین کو بطخ بنانے میں ہمارے معمار)حاکمِ وقت (کا ہاتھ ہے وہی جو ہماری بنیاد رکھ رہا ہے ،جس عمارت کی بنیاد ہی ٹیڑھی ہو وہ عمارت کبھی پختہ نہیں ہو سکتی۔ اقبال لکھتے ہیں:

خشت را معمار ما کج می نہد
خوی بط با بچۂ شاہین دید(13)

یعنی ہمارا معمار اینٹ کو ٹیڑھا رکھتا ہے وہ شاہین بچوں کو بطخ کی عادت ڈال رہا ہے۔حاکمِ وقت کون ہے؟ سیاست کیا ہے؟ کیا سیاست مذہب سے جڑی ہے؟ اقبال کی فکر ان تمام سوالات کا احاطہ کیے ہوئے ہے ،سیاست اور مذہب ایک دوسرے سے بے حد مماثلت رکھتے ہیں،اقبال کی نظر میں سیاست اور مذہب کے حوالے سے محمد شکیل بھنڈر اپنی کتاب " علامہ اقبال اور لالہ لاجپت رائے کے سیاسی افکار "میں لکھتے ہیں:

> "آپ کی نظر میں مذہب اور سیاست ایک دوسرے سے الگ نہیں تھے۔انھوں نے ایک مفکر اور سیاستدان کی حیثیت سے ہندوستانی تاریخ کے ہر موڑ پر مسلمانوں کی بھرپور سیاسی و فکری سطح پر رہنمائی کی۔وہ ہندوستان میں کانگریس اور ہندوؤں کی تعصبانہ روش سے بخوبی آگاہ تھے۔وہ اپنے زمانے کی واحد شخصیت تھے جنھوں نے سب سے پہلے انفرادی طور پر کانگریس کے رویے کو محسوس کیا اور مختلف اوقات میں کھلم کھلا کانگریسی لیڈروں کی ریشہ دوانیوں سے قوم کو آگاہ کیا۔"(14)

عصرِ حاضر میں اقبال انسان سے تاریخِ انسانی کے مطالعے کا تقاضا کرتے ہیں ۔اقبال چاہتے ہیں کہ امت مسلمہ اپنا مقام پہچانے وہ چاہتے ہیں کہ انسان اپنی ذات کا عرفان حاصل کرے جس کے نتیجے میں وہ ذاتِ حق سبحانہ وتعالی کے عرفان تک رسائی حاصل کرسکے ۔

آدم کا مقام آسمان سے بھی بلند تر ہے ،تہذیب کی اصل آدم کا احترام ہے۔ اقبال نے اپنے افکار سے کئی رازوں سے پردہ اٹھایا ہے، اقبال تقدیر کے بدل جانے کو انسان کے بدل جانے سے مشروط کرتے ہیں اقبال کے نزدیک

اگر امت مسلمہ کا ہر فرد خود کو بدل ڈالے تو اس کی تقدیر بھی بدل جائے گی۔مفہوم یہ کہ اس تقدیر کی گہری رمز ایک بات میں پوشیدہ ہےوہ یہ کہ اگر تو بدل جائے تو تقدیر بھی بدل جاتی ہے۔

عصرِ حاضر میں موجود منفی رجحانات اور مسائل کا ادراک پہلے ڈے ہی کئے ہوئے تھی یہی وجہ ہے کہ آج کے دور میں ہمیں لاحق ان جملہ مسائل کے حل کے لیے کسی رہنما ،پیشوا کی ضرورت نہیں بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ امت مسلمہ کے اس راہ نما کے کلام اور دور افتادہ فکر سے جس قدر ہوسکے فائدہ اٹھایا جائے۔ ہماری نوجوان نسل کو اقبال کی فکری جہات اور ان کے کلام کی روشنی سے منور کیا جائے تاکہ زمانۂ مستقبل میں ملت اسلامیہ میں مرد مومن اور شاہین کی صفات رکھنے والے افراد پیدا ہوں۔

دور حاضر میں اسرائیل اور فلسطین میں کشیدگی کی لہر امت مسلمہ کے لیے ایک بڑا چیلنج ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ ملت اسلامیہ متحد ہوکر مثبت اور جارحانہ اقدامات اٹھائے،مل کر آواز اٹھائے۔چوں کہ یہ مسئلہ کئی دہائیوں سے جوں کا توں چلتا آرہا ہے اور تاحال اس کا کوئی حل نہیں نکالا جاسکا۔اقبال بھی مسئلہ فلسطین کے لیے اپنے جزبات رکھتے تھے۔ ممتاز حسن " اقبال اور عبدالحق "میں لکھتے ہیں:

> "مسئلہ فلسطین سے اقبال کو ایک مستقل اور جذباتی وابستگی تھی،گول میز کانفرنس سے واپسی پر انہوں نے فلسطین میں موتمر اسلامی اجلاس میں شرکت کی،اقبال کی شاعری میں فلسطین سے متعلق متعدد افکار اور اشارے موجود ہیں۔" (15)

بلاشبہ اقبال اک صدی پہلے اپنے تمام افکار سے ہمیں راہِ زیست پر چلنے کے طریق کار بتا گئے دور حاضر کے تمام تر مسائل کا حل ان کے افکار میں پوشیدہ ہے۔ اقبال کے افکار و نظریات جس قدر ان کی حیات میں اہمیت اور ضرورت کے حامل تھے، آج اکیسویں صدی میں بھی اسی طرح تابندہ وروشن ہیں۔ اقبال کے دیے گئے نظریات اور ان کی فکر پر عمل پیرا ہو کر نہ صرف آج ہم خود کامیابی و کامرانی کی شاہراہ پر چل سکتے ہیں بلکہ دوسروں کے لیے بھی آسانیاں پیدا کر سکتے ہیں۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے اقبال کے افکار کی ترویج ہر سطح پر کی جائے۔ موجودہ نسل کو اقبال کی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے اور ان پر عمل کو یقینی بنایا جائے۔

آج کے مسائل اور ان مسائل کے تناظر میں فکرِ اقبالؒ کی فکر کا جائزہ لیا جائے تو آگاہی ہو گی کہ اقبالؒ کی فکر کی تازہ کاری سے اکیسویں صدی کا انسان بھی مستفید ہو سکتا ہے۔ اقبالؒ نے اپنے فکر و فلسفہ میں جن دائمی صداقتوں کا ذکر کیا ہے وہ وحدتِ اسلامی کی ضامن ہیں۔ اقبالؒ نے مسلمانوں کی کامیابی کے لیے اسلامی نظامِ حیات کو لازم قرار دیا۔ اقبال کی فکری معنویت میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اضافہ ہو رہا ہے۔ ان کی فکر آج بھی ہمارے اذہان کی تازگی میں معاون ہے۔ فکرِ اقبالؒ کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی

ذات میں الوہی صفات تحلیل کر کے اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کو انسانی فلاح کے لیے استعمال کرے اور زمین پر نیابتِ الٰہی کا فریضہ انجام دے۔ ایسے افکار کی قدر و قیمت میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اضافہ ہی ہو گا۔

افکارِ اقبالؒ سے آج بھی مستفید ہونے کی ضرورت ہے۔ اس طرح انتشار کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ اقبالؒ کا فلسفۂ خودی نئے دور کے نئے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو کر ایک صالح معاشرے کی تشکیل میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ اقبالؒ کی فکر کے سوتے قرآن کے سرچشمے سے سیراب ہوتے ہیں۔ اقبالؒ کی فکر نہ صرف جدید دور سے ہم آہنگ ہے بلکہ مستقبل کے لیے بھی گہری معنویت کی حامل ہے۔ کوئی بھی فن پارہ جو حیاتِ انسانی کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرے اور اسے خیر کے ذریعے ارتقا کی جانب لے جائے، وہ زمان و مکاں کی حدود کو توڑ کر تمام امتیازات سے بالاتر ہو کر دوام حاصل کر لیتا ہے اور اقبالؒ کا فن زمان و مکاں کی حدود کو توڑ کر دوامی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔

المختصر اگر ہمارے عہد میں کوئی شخصیت موت کے بعد زندہ رہنے کی حق دار ہے تو وہ اقبالؒ کی شخصیت ہے۔ اسے زندگی سے اس قدر وابستگی تھی، زندگی کا اس قدر یقین تھا کہ موت بھی ان کے دماغ کو ہراساں نہ کر سکی۔ اقبالؒ مرتے دم تک زندہ رہے اور جہاں تک بنی نوع انسان کی زندگیوں پر اثر ڈالنے کا تعلق ہے تو وہ اب پہلے سے کہیں زیادہ زندہ ہیں اور وہ تعلیم جو انھوں نے ہمیں دی وہ عارضی اور سیاسی ہنگامے کی حیثیت نہیں رکھتی۔ اس کی ضرورت ہمیں بیسویں اکیسویں صدی میں ہی نہیں بلکہ مدتوں رہے گی اور ہمیں ہی نہیں تمام دنیا کو اس کی ضرورت ہے کیوں کہ وہ تعلیم غیرت، خود اعتمادی، سربلندی کی تعلیم ہے جس کو زوال نہیں۔ اقبالؒ کی تعلیمات کو آنے والے وقتوں میں بھی دہرایا جائے گا۔ جن صداقتوں کو انھوں نے آشکار کیا ہے، بے نقاب کیا ہے وہ ہمیں بھی واضح دکھائی دیتی ہیں۔

حوالہ جات

1. غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، اقبال ایک مطالعہ (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 1987ء)، 170۔
2. عطااللہ شیخ، (مرتب)، اقبال نامہ، (مجموعہ مکاتیب اقبال) خط بنام سراج الدین پال (لاہور: شیخ محمد اشرف، س ن)، 34-35۔
3. غلام رسول ملک، سرورِ سحر آفرین، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 2007ء)، 144۔
4. ندیم شفیق ملک، علامہ اقبال کا خطبہ الہ آباد 1930، ایک مطالعہ (لاہور: فیروز سنز، 1998ء)، 168۔
5. محمد رفیق افضل، گفتارِ اقبال، طبع سوم (لاہور: ادارہ تحقیقاتِ پاکستان دانش گاہ پنجاب، 1986)، 73۔
6. علامہ اقبال، ڈاکٹر، کلیاتِ اقبالؒ۔ اردو (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، 1990ء)، 294۔

7. علامہ اقبال،ڈاکٹر،278۔
8. رفیع الدین ہاشمی،ڈاکٹر،(مرتب)،علامہ اقبال:مسائل ومباحث(لاہور:اقبال اکادمی پاکستان،س ن)،229۔
9. خلیفہ عبدالحکیم،ڈاکٹر،فکرِاقبال(علی گڑھ:ایجوکیشنل بک ہاؤس،1977ء)،105۔
10. محمد اقبال،ڈاکٹر،بانگ درا(لاہور:نظریۂ پاکستان پرنٹرز،2009ء)،176۔
11. محمد اقبال،ڈاکٹر،اسرارِخودی(لاہور:زاہدبشیر پرنٹرز،1999ء)،106۔
12. ابوالحسن حمزہ،شرح جاوید نامہ،(لاہور:سیونتھ سکائی پبلی کیشنز،2018ء)،378۔
13. ابوالحسن حمزہ،151۔
14. ایضا،230۔
15. نذیر نیازی،سید،تشکیل جدید الہیاتِ اسلامیہ(نئی دہلی:اسلامک بک سنٹر،1996ء)،292۔

References in Roman Script

1. Ghulam Hussain Zulfiqar, Dr., Iqbal aik motalia (Lahore: Iqbal Akademi Pakistan, 1987), 170.
2. Attaullah Sheikh, (Compiler), Iqbal Nama, (Majmooa Makatib Iqbal) Khat banam Sirajuddin Pal (Lahore: Sheikh Muhammad Ashraf, S.N.), 34-35.
3. Ghulam Rasool Malik, Sarwar-i Sahar Afrin, (Lahore: Iqbal Akademi Pakistan, 2007), 144.
4. Nadeem Shafiq Malik, Allama Iqbal ka Khutba Allahabad 1930, aik Motalia (Lahore: Feroze Sons, 1998), 168.
5. Muhammad Rafiq Afzal, Guftar-e-Iqbal, Third Edition (Lahore: Idara Takhleeq-e-Pakistan Daneshgah Punjab, 1986), 73.
6. Allama Iqbal, Dr., Kaliyat-e-Iqbal-Urdu (Islamabad: National Book Foundation, 1990), 294.
7. Allama Iqbal, Dr., 278.
8. Rafiuddin Hashmi, Dr. (Compiler), Allama Iqbal: Masail aur Mobahes (Lahore: Iqbal Akademi Pakistan, 229).
9. Khalifa Abdul Hakeem, Dr., Fikr-e-Iqbal (Aligarh: Educational Book House, 1977), 105.

10. Muhammad Iqbal, Dr., Bang-e-dara (Lahore: Nazriya Pakistan Printers, 2009), 176.
11. Muhammad Iqbal, Dr., Israr-e-Khudi (Lahore: Zahid Bashir Printers, 1999), 106.
12. Abul Hasan Hamza, Sharh-e-Javed Nama, (Lahore: Seventh Sky Publications, 2018), 378.
13. Abul Hasan Hamza, 151.
14. Ibid, 230.
15. Nazir Niazi, Syed, Tashkeel Jadeed ulhayat-e-Islamia (New Delhi: Islamic Book Centre, 1996), 292.